© rasailojaraid.com

دوپہر کی دھوپ سی اُجلی جوانی لے گیا

جاوید اختر بھٹی

ذوالکفل کی وفات نے بہت سے لوگوں کو اداس کر دیا۔ آج انھیں اس دنیا سے گئے پچیس دن گزر گئے (ابھی دنوں کو برسوں میں تبدیل ہونا ہے) اور رات کے دو کا وقت ہے۔ میرے ارد گرد اُداسی کی فضا ہے۔ میں نے اس کے بارے میں لکھنا شروع کیا۔ یہ کوشش میں پچیس دنوں سے کر رہا ہوں۔ لیکن کاغذ کورا ہی رہا۔ اس پر لکھا نہ جا سکا۔ لکھنے میں ایسی بے بسی کبھی محسوس نہیں کی۔ آج میں نے پھر کوشش کی تو ذوالکفل لکھ کر دیر تک ان کا نام دیکھتا رہا۔ وہ کیا کیا باتیں تھیں جو تیزی سے یاد آتی گئیں، اور سامنے سے گزر گئیں۔ کوئی ایک لمحہ بھی میری گرفت میں نہ آیا۔

وہ نوجوان ذوالکفل جس نے ابھی میٹرک کیا ہے۔ وہ اپنے بڑے بھائی کفیل بخاری کے دوستوں سے دور دور رہتا ہے۔ اور پھر ایک دن کفیل بخاری نے خوشی کا اظہار کرتے ہوئے کہا۔ ''مُنّے نے شاعری شروع کر دی ہے۔'' مجھے پہلی بار ذوالکفل نے اُس وقت متوجہ کیا جب اُن کی نظمیں شائع ہونے لگیں۔ انھوں نے بی اے کیا تو ان کی ادبی سرگرمیوں میں اضافہ ہوا۔ فاران اکادمی کے اجلاس باقاعدگی سے ہونے لگے اور ان کے نوجوان دوست اس میں شامل ہو گئے۔ جب انھوں نے ایم اے انگلش کیا، اس وقت وہ شہر کے معروف ادیبوں اور شاعروں میں شمار ہونے لگے تھے۔ ان کا کمرہ کتابوں سے بھرا رہتا تھا، جس کے آثار بیٹھک تک دکھائی دیتے تھے۔ میز پر ہر وقت کتابیں رکھی ہوتی تھیں۔ وہ مسلسل مطالعہ کرتے تھے۔ لکھنے سے پڑھنے کی رفتار زیادہ تھی۔ وہ ہر موضوع پر گفتگو کر سکتے تھے۔ وہ بہت کم عمری میں بزرگی کی منازل طے کر گئے تھے۔ ان کی گفتگو میں اعتماد تھا۔ بات کہنے کا سلیقہ تھا اور مخاطب کو متاثر کرنے کی صلاحیت تھی۔

مجھے یاد آرہا ہے کہ جب ''منے'' نے شاعری شروع کی تو کفیل بخاری ان کے لیے کلیاتِ فیض، کلیاتِ ارشد، کلیاتِ میراجی اور کلیاتِ مجید امجد لے کر آئے۔ اس لیے ان کا رجحان نظم کی طرف بڑھ گیا۔ انھوں نے آزاد نظم کہی۔ وہ لفظ کی حرمت اور اہمیت سے واقف تھے۔

اُن دنوں ان کے دوستوں کا حلقہ وسیع ہو گیا تھا: خالد مسعود خان، رؤف کلاسرا، مختار پارس، حافظ صفوان، جمشید رضوانی، وحید الرحمٰن خان، شعیب ودود، مستحسن خیال اور افتخار شفیع سے ان کی ملاقات رہتی تھی۔

بزرگ ادیبوں میں ڈاکٹر اسلم انصاری اور پروفیسر حفیظ الرحمٰن خان کے ساتھ ان کا تعلق زیادہ تھا۔ انھوں نے کسی نوجوان سے گفتگو کی یا بزرگ سے، اُس کے دل میں جگہ ضرور پیدا کی۔ بات کہنے کا ہنر انھیں آتا تھا۔ یہ قدرت کا خاص عطیہ تھا۔ وہ مسکراتا ہوا چہرہ سب کا دوست اور غم خوار تھا۔ وہ اختلاف کے باوجود لہجہ میں تلخی نہ آنے دیتے تھے۔ یہ تحمل اور بردباری انھیں اپنے نانا سید عطاء اللہ شاہ بخاری مرحوم سے وَرثے میں ملی تھی۔ اس نیک نامی کی انھوں نے قیمتی اثاثے کی طرح حفاظت کی۔

انھوں نے خبریں کو معیاری ایڈیشن دیا۔ خبریں میں ایسے ادبی ایڈیشن دوبارہ دیکھنے کو نہیں ملے۔ لیکن یہ سلسلہ زیادہ دیر نہ چل سکا، کیونکہ انھوں نے سعودی عرب کے سفر کی تیاری شروع کر دی۔ ایک دن معلوم ہوا کہ ذوالکفل سعودی عرب جا رہا ہے۔ وہ ترقی کرنا چاہتے تھے۔ نام پیدا کرنا چاہتے تھے۔ لیکن اس کے لیے انھوں نے ہمیشہ مشکل راستے کا انتخاب کیا۔ یہ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ہمارے نزدیک مشکل ہوا کرتا تھا۔ وہ اسے بہت آسانی سے عبور کر لیا کرتے تھے۔

وہ سعودیہ کے شہر املج میں کئی سال ایک ادارے میں تدریس کے شعبہ سے وابستہ رہے۔ وہ ہر سال ایک ماہ کے لیے آتے تھے اور اس ایک مہینے میں ان کے ساتھ ملاقات رہتی۔ مختلف موضوعات زیر بحث آتے تھے۔ وہ دوستوں سے زیادہ سے زیادہ ملاقات کرنے کی خواہش رکھتے تھے۔ وہ لاہور اور اسلام آباد کا بھی ایک چکر لگاتے۔ ایک دن اچانک معلوم ہوتا کہ ذوالکفل کی چھٹی ختم ہوگئی ہے اور وہ واپس جا رہے ہیں۔ وہ بھرپور زندگی گزارنے کے عادی تھے۔ سعودیہ میں بھی ان کا حلقۂ احباب بہت وسیع تھا۔

آخری بار جب ملتان آئے (کون جانتا تھا کہ وہ آخری بار آئے ہیں؟) تو ان کا قیام تقریباً چھے ماہ رہا۔ اس بار انھیں اپنی بیٹی کی موت کا صدمہ بھی برداشت کرنا پڑا۔ یہ چھے ماہ انھوں نے بہت مصروف گزارے۔ انھوں نے روزنامہ خبریں میں کالم لکھنا شروع کیا۔ ٹی وی کے پروگرام کیے۔ ایک کالج میں پڑھانے لگے۔ وہ مستقبل کی منصوبہ بندی کر رہے تھے۔ اطمینان ہوا کہ اب وہ پاکستان میں ہی رہیں گے۔ انھوں نے اپنے عزیز دوست حافظ صفوان کے ساتھ مل کر ایک منفرد اردو۔انگلش لغت مرتب کی۔ شعری مجموعے کے لیے اپنی نظمیں یکجا کر رہے تھے۔ مشفق خواجہ اور اپنے خطوط کو ترتیب دیا، یعنی ایک خط ان کا اور دوسرا خط خواجہ صاحب کا جواب میں آیا ہوا۔ یہ دلچسپ خط کتابت ہے۔

تمام احباب خوش تھے کہ اب ذوالکفل پاکستان میں رہیں گے۔ اچانک اطلاع آئی کہ وہ جامعہ ام القریٰ مکہ مکرمہ میں استاد مقرر ہوگئے ہیں۔ یہ اُن کی زندگی کا خواب تھا۔ وہ بہت خوش تھے اور ان کی زندگی کی آخری چھٹیاں ختم ہوگئی تھیں، انھیں گئے ہوئے زیادہ عرصہ نہیں ہوا تھا۔ پندرہ دن پہلے ان کے بچے ان کے پاس گئے تھے۔

۱۵/نومبر کی ایک افسردہ شام کو کفیل بخاری صاحب نے ان کی وفات کی خبر دی، کہ ذوالکفل مکہ مکرمہ کے ایک حادثے میں انتقال کر گئے ہیں۔ یہ ناقابلِ یقین خبر تھی۔ دیر تک اس پر اعتبار نہ آیا۔

انھوں نے اپنے ایک دوست کی وفات پر منظوم کتبہ لکھا۔ دراصل یہ کتبہ وہ اپنے لیے لکھ رہے تھے۔ اس کا ایک ایک لفظ ان کی شخصیت کو ظاہر کرتا ہے۔ اب وہ ایسی جگہ چلے گئے ہیں۔ جہاں ان کے صالح اعمال ان کی حفاظت کریں گے۔ ان کی نیکیاں ان کے درجات بلند کریں گی۔

وہ جہاں گردِ زمانہ
ناکشودہ منظروں کے کھوج میں محوِ سفر
نت نئی راہوں پہ پھیلی
پُرتحیّر روشنی کی اَن چھوئی ٹھنڈک کا پیاسا
صد ہزاراں سال کی تشنہ دہانی لے گیا
روشنی باطن کی، آنکھوں کی چمک
دوپہر کی دھوپ سی اُجلی جوانی لے گیا
اک مہا گیانی جو اپنی گیان دانی لے گیا
شَبُد اپنے لے گیا وہ، اپنی بانی لے گیا
وہ سبھا ساجن، پریمی، ہاں وہ سیلانی پریتم
بھیدیا، بھیدوں بھرے جیون جگت کا بھیدیا

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

سنجوگ، سنگت، سانجھ کے، سمبندھ کے بھیدوں بھری
جیون کہانی لے گیا
کردار باقی رہ گئے
بے کار باقی رہ گئے

یہ کتبہ اردو ادب کے چند خوب صورت کتبوں میں شمار کیا جائے گا۔ اس میں ایک خاص کیفیت کا اظہار ہے۔ ''بے کار باقی رہ گئے'' زندگی کے عارضی قیام اور انسان کا اپنے خدا کی طرف واپسی کا سفر ہے۔ یہی سچ کا راستہ ہے۔ دنیا کی حقیقتیں بے معنی نظر آنے لگتی ہیں۔

انھوں نے کم عمری میں بزرگ ادیبوں کو متاثر کیا۔ ان کی گفتگو سن کر مخاطب پریشان ہو جاتا تھا۔ میں نے انھیں علم و ادب، مذہب و فلسفہ، تصوف، تاریخ، سیاسیات، صحافت اور جدید میڈیا پر گفتگو کرتے سنا۔ میں کفیل بخاری صاحب کے دوستوں میں سے ہوں، اس لیے انھوں نے مجھے احترام دیا۔ ہمیشہ خلوص اور محبت سے پیش آتے۔ کبھی کسی بحث میں نہیں الجھے۔ مکہ مکرمہ تشریف لے جانے سے پہلے انھوں مجھ سے ایک طویل ملاقات کی۔ کئی موضوعات پر بات ہوئی اور یہ میری ان سے آخری ملاقات تھی۔

جاتے ہوئے کہتے ہو، قیامت کو ملیں گے
کیا خوب، قیامت کا ہے گویا کوئی دن اور

اب تو یوں معلوم ہوتا ہے کہ مکہ مکرمہ کی مٹی انھیں اپنی طرف کھینچ رہی تھی۔ وہ بہت تیزی سے اس کی طرف بڑھ رہے تھے۔ شاید وہ اس مقام اور سعادت سے دستبردار ہونے کے لیے تیار ہی نہیں تھے جس کا اہتمام اللہ تعالیٰ نے ان کے لیے کیا تھا۔ ذوالکفل ایسے صاحبِ ایمان نے سیدہ حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا کے پہلو میں آسودۂ خاک ہونے کے اعزاز کو ترجیح دی۔ زندگی کو بہر حال ختم ہونا ہی ہوتا ہے اور یہ ختم ہو کر رہتی ہے۔ لیکن بعد از وفات خوش نصیبی بہت کم لوگوں کے حصے میں آتی ہے۔

میرے لیے دیر تک ذوالکفل کے بارے میں لکھنا ممکن نہیں۔ میں نے انھیں جوان ہوتے اور زندگی کی موج میں شامل ہوتے دیکھا ہے۔ ان کی ابتدائی شاعری سے آخری دور تک کی شاعری کو دیکھا ہے۔ جب لوگوں نے محسوس کیا کہ علم و ادب کے سفر میں ذوالکفل ان سے کئی قدم آگے ہیں تو قدرت نے ان کا سفر مکمل کر دیا۔ کیونکہ زندگی کے سفر کا آغاز اور اختتام قدرت کے ہاتھ میں ہے۔

میرے پاس تو لفظ بھی نہیں کہ میں ان کے خاندان کے ساتھ تعزیت کر سکوں۔ میں تو ان کی وفات کے بعد، آج تک ان کے بارے میں زیادہ گفتگو بھی نہ کر سکا اور کروں بھی تو کیسے؟ ان کا مسکراتا ہوا چہرہ ہر وقت میرے سامنے ہے اور ان کی آواز ابھی سنائی دے رہی ہے۔ میں کوشش کے باوجود اپنے خیالات کو مربوط نہیں کر سکا۔ ذہن کی کیفیت ہی عجیب ہے۔ قلم کی صلاحیت ساتھ نہیں دے رہی۔ اپنے عزیزوں کے بارے میں لکھا ہی نہیں جا سکتا۔ جو لوگ لکھتے ہیں وہ بہت بہادر ہوتے ہیں۔ میرے ہاتھ میں تو مزید سکت نہیں رہی۔

© rasailojaraid.com